Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 4, Issue 2
dareecha.tahqeeq@gmail.com www.dareechaetahqeeq.com

مدیحہ وارث
اسکالر پی ایچ۔ڈی اردو،لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی،لاہور
ڈاکٹر شازیہ رزاق
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی،لاہور

فرید جاوید کی صدائے بازگشت

Madiha Waris
Scholar Ph.D Urdu Lahore College for women university, Lahore
Dr. Shazia Razzaq
Assistant Professor Department Of Urdu Lahore College for women university, Lahore

Echo of Fareed Jawed

Farid Javed is a poet of the 20th century, but apart from just one poetic collection, " Silsila Takallum Ka" there is no other poetic work is available. This article is an attempt to highlight the importance of this poet because there is not enough research and critical material on Farid Javed, while after the establishment of Pakistan, this poet has shown his intellectual abilities regarding important topics of Urdu poetry. These abilities were not acknowledged when he was alived, but there is an effect of individuality in his words, which is enough to call him an important poet. Farid Javed has completed his journey at a slow pace but there is so much breadth and depth in this collection that it cannot be ignored.

KeyWords: Farid,Javed, silsila,takallum,love,loneliness,Ghazal,Pakistani poetry
کلیدی الفاظ : فرید جاوید،سلسلہ تکلم، تنہائی ، محبت، پاکستانی غزل

فرید جاوید ایک منفرد لب ولہجہ کے غزل گو شاعر تھے۔ان کی شاعری شخصیت اور فلسفۂ زندگی کے حوالے سے اُن کے فکری شعور کی عکاس بنتی ہے۔وہ اپنی شاعری میں فکری اور فنی لوازمات کا خیال رکھتے ہیں۔انہوں نے اردو شاعری کے لب ولہجے کو اپنی شخصیت میں سمو لیا تھا۔

فرید جاوید کے آباؤ اجداد سہارنپور یو۔پی ہندوستان سے تعلق رکھتے تھے۔وہ ایک نچلے متوسط گھرانے کے فرد تھے جس کا عکس ان کی شخصیت میں واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔پاکستان کے قیام سے پہلے وہ اپنے گھر کو چھوڑ کر دلی آگئے تھے اور وہاں سے 1947ء میں ہجرت کر کے تنہا پاکستان پہنچے۔پاکستان میں انہوں نے کراچی میں رہائش اختیار کی تھی۔یہاں ان کے قریب دور کا کوئی اہلِ خاندان موجود نہیں تھا[1] ۔ ان رشتوں سے دوری نے فرید جاوید کی شخصیت میں ایک خلا پیدا کر دیا تھا۔

فرید جاوید نے اپنے خاندان سے دوری کے بعد جن دوست احباب سے تعلق استوار کیا اور جس معاشرے میں زندگی بسر کی اِس نے اُن کی شخصیت میں بہت سی خامیاں پیدا کر دیں۔ماں باپ، بھائی بہن کی موجودگی، عورت کی نظرِ کرم اور خاندان کا تحفظ جو فرد کی زندگی میں اعتماد پیدا کرتے ہیں وہ ان سب سے محروم رہے۔ اس کا تخلیقی اظہار ان کے اس شعر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

ے بہار خود بھی پشیمان تو ہوئی ہو گی

بھرے چمن میں مجھے دیکھ کر تہی دامن [2]

فرید جاوید 18 اپریل 1927ء کو سہارن پور میں پیدا ہوئے[3]۔ان کا اصل نام فرید الدین تھا لیکن انہوں نے فرید جاوید کے نام سے اپنے ادبی سفر کا آغاز کیا۔ان کا تخلص جاوید تھا۔ان کے والد کا نام مجید الدین تھا[4]۔چونکہ وہ اپنی ابتدائی عمر میں ہی سہارن پور چھوڑ کر دلی آ کر بس گئے تھے۔اس لیے ان کی شاعری میں دلی سے خاص انسیت اور جذباتی لگاؤ نظر آتا ہے۔

فرید جاوید درس و تدریس کے پیشے سے منسلک رہے ان کی زندگی کا بڑا حصہ اسی پیشے میں ذمہ داریاں نبھاتے گزرا۔فرید جاوید کو مطالعے کا بے حد شوق تھا۔وہ عموماً اردو اور فارسی شعری کتب کو اپنے زیرِ مطالعہ لاتے تھے۔

فرید جاوید نے اپنی پچاس سالہ زندگی میں صرف ایک ہی شعری مجموعہ لکھا۔ جس کا نام "سلسلہ تکلّم کا" ہے۔اس مجموعے کا نام ان کے اس مشہورِ زمانہ شعر سے اخذ کیا گیا ہے۔

؎ گفتگو کسی سے ہو تیرا دھیان رہتا ہے
ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے سلسلہ تکلّم کا [5]

یہ شعری مجموعہ ان کی وفات کے بعد 1980ء میں شائع ہوا۔اس کا پیش لفظ شمیم احمد نے لکھا۔اس شعری مجموعے کو ادوار وار تقسیم کیا گیا ہے۔پہلا دور 1952ء سے 1962ء تک،دوسرا دور 1963ء سے 1977ء تک، تیسرا دور 1946ء سے 1951ء تک اور چوتھا دور 1940ء سے 1945ء تک مشتمل ہے۔اس شعری مجموعے کو ترتیب دینے میں فرید جاوید کے مسودات بڑی اہمیت کے حامل تھے۔فرید جاوید بنیادی طور پر غزل گو شاعر ہیں لیکن اپنے اس شعری مجموعے میں انہوں نے غزل کے ساتھ ساتھ نظم اور دوسری اصناف پر بھی طبع آزمائی کی ہے۔اس شعری مجموعے کی ضخامت 183 صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں 112 غزلیں اور 11 نظمیں شامل ہیں۔ان نظموں کے عنوان درج ذیل ہیں۔

تلخیِ احساس
دلّی
شکست
عید
بہار
طوائف
رشتۂ جاں
عہدِ نو
ایک نظم

فرید جاوید کی شاعری کے انداز نے انہیں اپنے ہم عصر شعرا میں انفرادیت بخشی ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں اس دور کے موضوعات کو برتا ہے۔ان کی غزلوں میں تصورِ عشق، تصورِ حسن، تصورِ غم، تصورِ انسان اور انسانی رویوں کی تصویر کشی نظر آتی ہے۔فرید جاوید کو فکر کے ساتھ ساتھ فن میں کمال حاصل تھا۔اسی لیے ان کے ہاں علمِ بدیع، تشبیہ،استعارہ، تمثال کاری اور زبان کا بہترین استعمال نظر آتا ہے۔

شمیم احمد ان کی شاعری کے بارے میں کہتے ہیں کہ فرید جاوید شعر کی بہت اچھی پرکھ رکھتے تھے۔وہ شعر کی نزاکت،لطافت اور باریکیوں کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھے۔ان کی شاعری ہر طرح کے تصنع اور بناوٹ سے پاک تھی۔ان کو شعر کا حسن اور لطافت اپنی طرف متوجہ کرتی تھی۔یہ خوبی نئے شعرا میں مشکل سے نظر آتی ہے۔

فرید جاوید نے اگرچہ بہت کم لکھا لیکن جس بھی موضوع پر قلم اُٹھایا اس کا حق ادا کیا۔تعداد کے اعتبار سے تو وہ اپنے ہم عصر شعرا سے پیچھے دکھائی دیتے ہیں لیکن معیار

کے اعتبار سے اِن کے ہم پلہ تھے۔انہوں نے ہمیشہ معیار کو ملحوظ رکھا تھا۔اِن کی شاعری میں ناتو مصنوعی پن نظر آتا ہے اور ناہی کسی قسم کا بوجھ اور دباؤ۔ان کو جو حالات و واقعات زندگی میں پیش آئے وہ انہوں نے اپنی شاعری میں بیان کر دیے ہیں۔انہوں نے زیادہ تر گمنامی کی زندگی گزاری۔ان کو وہ مقام و مرتبہ حاصل نہیں ہوا جس کے وہ حقدار تھے لیکن ان کی شاعری کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جس طرح غزل کو برتا ہے۔وہ ان کے ہم عصر اور بعد میں آنے والے شعرا میں کم کم نظر آتا ہے۔

فرید جاوید کثرتِ شراب نوشی کی وجہ سے اکثر بیمار رہتے تھے۔بالآخر بیماریوں سے لڑتے لڑتے وہ 27 دسمبر 1977ء کو کراچی میں انتقال کر گئے۔[6] وہ کراچی میں سخی حسن کے قبرستان میں مدفن ہیں۔ان کی تمام زندگی پریشانیوں اور تکلیفوں کا مقابلہ کرتے گزری تھی لیکن اس کے باوجود انہیں زندگی سے پیار تھا۔جب ان کی زندگی میں تھوڑی سی خوشحالی نے قدم رکھا تب ہی موت نے ان کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیا۔

فرید جاوید کی شاعری میں مختلف موضوعات ملتے ہیں۔ان موضوعات کا تعلق ارد گرد کے مشاہدے اور تجربے سے ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں زندگی کی تلخ سچائیوں اور حقیقتوں سے پردہ اٹھایا ہے۔ان کے ہاں عشق کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ فرید جاوید نے حسن و عشق کی مختلف کیفیتوں کو بیان کیا ہے۔وہ زندگی بھر جن محرومیوں کا شکار رہے اس کا تذکرہ بارہا ان کی غزل میں ملتا ہے۔

غزل کا سب سے اہم موضوع عشق ہے۔یہ موضوع ابتدا ہی سے غزل کا اہم حصہ رہا ہے۔عشق کے جذبے سے انسانی فطرت کو ایک خاص مناسبت ہے۔یہ جذبہ ہر انسان کے دل پر اثر انداز ہوتا ہے اور اسے اپنی جانب راغب کرتا ہے۔عشق کے بغیر زندگی کا کچھ مزا نہیں۔یہ لا محدود جذبہ ہے۔عشق اور غزل لازم و ملزوم ہیں۔فرید جاوید بھی عشق کی متنوع واردات و کیفیات سے دوچار ہوتے ہیں اور ان کی ترجمانی اپنی غزلوں میں بڑی خوبصورتی سے کرتے ہیں۔وہ ان مضامین کو بڑی تفصیل اور جزئیات سے پیش کرتے ہیں۔

فرید جاوید زندگی کے لیے عشق کو ضروری سمجھتے ہیں۔انہوں نے اپنی غزل میں عشقِ حقیقی اور عشقِ مجازی دونوں کی تصویر کشی کی ہے۔ان کا محبوب ماورائی نہیں بلکہ گوشت پوست کا بنا انسان ہے۔اسی لیے ان کی کیفیت حقیقت پر مبنی معلوم ہوتی ہے۔وہ زندگی میں عشق کی اہمیت کو محسوس کرتے ہیں۔ان کے خیال میں عشق کے بغیر زندگی نامکمل رہتی ہے۔ یہ واردات و کیفیات ایسے شخص کے ہاں نہیں پیدا ہو سکتیں جو مزاجِ عشق سے واقفیت نہ رکھتا ہو۔

فرید جاوید اپنی شاعری میں عشق کی مختلف کیفیتوں کو بیان کرتے ہیں۔وہ محبوب سے شکوہ شکایت کرتے بھی نظر آتے ہیں اور اس کے مظالم کو بڑے حوصلے سے برداشت بھی کرتے ہیں۔وہ عشق کی مشکلات سے گھبراتے نہیں ہیں بلکہ ان کا مردانہ وار ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں۔وہ چونکہ اپنی شاعری میں داخلی واردات و کیفیات کو بیان کرتے ہیں اس لیے ان کے اشعار مزید اثر انگیز معلوم ہوتے اور دل کی دنیا میں انقلاب برپا کرتے ہیں۔

فرید جاوید اپنے محبوب کے پرستار ہیں۔وہ ایک لمحے کے لیے بھی اپنے محبوب کی یاد کو فراموش نہیں کرتے۔جب وہ کسی اور سے بھی ہم کلام ہوتے ہیں تو ان کا دھیان اپنے محبوب کی طرف ہی رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے بار بار ان کی گفتگو کا سلسلہ ٹوٹتا رہتا ہے۔گویا محبوب کی یاد انہیں ہر چیز سے بیگانہ کر دیتی ہے۔

ے گفتگو کسی سے ہو تیرا دھیان رہتا ہے
ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے سلسلہ تکلّم کا [7]

فرید جاوید کو اپنے محبوب کا خیال ہر وقت بے چین رکھتا ہے۔ وہ اسی کے متعلق سوچتے رہتے ہیں۔محبوب کی شبیہ ہر حال میں ان کی آنکھوں کے سامنے رہتی ہے۔ ان کے لیے اپنے محبوب کا خیال مشکلات اور تکلیفوں میں خوشی کا باعث بنتا ہے۔اس کے خیال سے ان کی تکلیف میں کمی واقع ہوتی ہے۔محبوب کا خیال آتے ہی نہ جانے کتنی باتیں اور نہ جانے کتنے خیالات ان کے ذہن کے افق پر منڈلانے لگتے ہیں۔ زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جہاں انہیں محبوب کی یاد نہ آئے۔

ے کتنی تاریکیوں میں تیرا خیال
دل میں اک شمع تھا جلائے ہوئے [8]

فرید جاوید ایک سچے عاشق ہیں۔انہوں نے بڑے خلوص کے ساتھ اپنے محبوب کو چاہا ہے۔ان کے لیے اس دنیا میں دل کی خوشی سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔ ان کے خیال میں جس انسان کو اس کی محبت یعنی دل کی خوشی مل جائے اس کے لیے دنیا کی تمام خوشیاں ہیچ ہیں۔

ے چاہیے کیا اُسے زمانے میں

جس کو مل جائے روشنی دل کی [9]

فرید جاوید حسن کے پرستار ہیں اور اس حسن کو انہوں نے اپنے محبوب میں دیکھا ہے۔ وہ اپنے محبوب سے ملنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب کبھی ایسا موقع آتا ہے تو یہ لمحات ان کے لیے زندگی کا حاصل ثابت ہوتے ہیں۔ اس قربت کی وجہ سے انہیں اپنی زندگی سے بھی محبت ہو جاتی ہے۔

ے مجھ کو جو تیرے حسن سے قربت سی ہو گئی
خود کو اپنی زندگی سے محبت سے ہو گئی [10]

فرید جاوید کی زندگی پر اپنے محبوب کا بڑا اثر ہے۔ وہ ہر وقت اپنے محبوب کی یاد میں کھوئے رہتے ہیں۔ یہ یادیں انہیں اپنے آپ سے بھی بیگانہ کر دیتی ہیں۔ انہیں اپنے محبوب کے خیالوں اور یادوں سے ہی مسرت نصیب ہوتی ہے۔ ایک عاشق کے لیے اپنے محبوب کا خیال ہی زندگی گزارنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ انہی خیالوں کی وجہ سے انہیں ہر طرف خوشیاں اور زندگی برستی نظر آتی ہے۔

ے اپنے ہی کچھ حسین خیالوں میں کھو گئے
کچھ دیر کے لیے سہی راحت سی ہو گئی [11]

ے تُو جو ہے خیالوں میں ذہن میں جو مستی ہے
جس طرف نظر اٹھ جائے زندگی برستی ہے [12]

فرید جاوید زندگی کے لیے عشق کو ضروری گردانتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ عشق کے بغیر زندگی نامکمل اور ادھوری ہے۔ اسی لیے ان کے لیے اپنے محبوب کا خیال اور اس سے عشق زندگی کی ضرورت بن جاتا ہے۔ ان کے لیے محبوب کے حُسن سے لطف اندوز ہونا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ زندگی گزارنا بھی ضروری ہے۔ اُس کے بغیر اب ان کا گزارہ ممکن نہیں ہے۔

ے بیداریٔ شعور کا حاصل نہ پوچھیے
آشفتگی سے اور بھی قربت سی ہو گئی [13]

ے بڑھ کر تیرے خیال کی رعنائیوں کی بات
اب زندگی کی ایک ضرورت سے ہو گئی [14]

فرید جاوید کو اپنی عشقیہ زندگی میں وصال کی بجائے ہمیشہ فراق کا سامنا رہا ہے۔ ان کی زندگی محبوب کے وصال کی حسرت میں گزر جاتی ہے۔ ان کا محبوب انہیں اپنے انتظار کی اذیت سے ہی دوچار کرتا ہے۔ اسی انتظار میں ان کے دن اور رات بیتتی ہے لیکن انتظار کی یہ کیفیت اسی طرح برقرار رہتی ہے۔

ے جلوہ فشاں تھا آفتاب، آپ کا انتظار تھا
آپ کا انتظار ہے ڈوب رہا ہے آفتاب [15]

فرید جاوید کا مجموعی رجحان مجازی عشق کی طرف زیادہ نظر آتا ہے۔ انہیں خود بھی عشق کا تجربہ ہوا ہے۔ اس تجربے نے ان کے تمام محسوسات کو محبوب کی طرف مائل کر دیا ہے۔ انہوں نے اپنی عشقیہ زندگی میں صرف اپنے محبوب کی راہ دیکھی ہے۔ اُسی کو ہر لمحہ یاد کیا ہے۔ وہ اپنے محبوب کی بے رخی، بے حسی اور اس کے ناروا رویے کے باوجود بھی اسی کی تلاش میں رہتے ہیں۔ وہ اس بات سے آگاہ ہیں کہ محبوب اُن کے جذبوں کی پذیرائی نہیں کرے گا لیکن وہ پھر بھی امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔

ے تیری راہ دیکھی ہے چاندنی میں نغموں کی
چھاؤں میں بہاروں کی تیرے گیت گائے ہیں [16]

ے جو لوگ مل نہیں سکتے تلاش ہے اُن کی
جو پھول کھل نہیں سکتے اُنھی کا خواہاں ہوں [17]

فرید جاوید عشق کے سفر میں بہت سے نشیب و فراز سے گزرتے ہیں۔ کہیں انہیں محبوب سے ملاقات کا شرف نصیب ہو جاتا ہے اور کبھی انہیں اس کی یاد میں آنسو بہانا

پڑتے ہیں۔انسان ایک ایسی مخلوق ہے کہ سب کچھ حاصل ہونے کے باوجود بھی وہ اپنی زندگی میں کوئی نہ کوئی کمی محسوس کرتا ہے۔کسی نہ کسی چیز کی خلش اس کے دل میں باقی ضرور رہتی ہے۔کچھ ایسی ہی کیفیت سے فرید جاوید نبرد آزما ہیں۔ان کے لیے محبوب سے چند ملاقاتیں کافی نہیں۔وہ عشق و عاشقی کے الزامات کی زد میں بھی آتے ہیں لیکن پھر بھی وصل کی خواہش پوری نہیں ہوتی۔اُن کی وصال کی حسرت اسی طرح برقرار رہتی ہے بلکہ اس حسرت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ بہار کا موسم اور خوشیوں کے دن بھی اُن کی اس حسرت کو مٹانے میں ناکام رہتے ہیں۔

ـــ تہمتِ مے کشی بھی اٹھائی
تشنگی ہے کہ شعلہ بجاں ہے 18

ـــ میکدے ہی سے ہم بھی آئے ہیں
شوق کی تشنگی بڑھائے ہوئے 19

عشق کی بدولت انسان پر آگاہی کے بہت سے در وا ہوتے ہیں۔ وہ اپنی ذات کے پوشیدہ پہلوؤں سے واقف ہو جاتا ہے۔فرید جاوید بھی پوری طرح اس جذبے سے سرشار ہیں۔انہیں ہر چیز اسی جذبے سے ہم آہنگ نظر آتی ہے۔عشق کے دشوار گزار راستے پر قدم رکھ کر انہیں ہر چیز سے زندگی جھلکتی نظر آتی ہے۔اس راستے میں انہیں مشکلات بھی اٹھانی پڑتی ہیں لیکن محبوب کی ایک جھلک دیکھ کر وہ سب تکلیفیں بھول جاتے ہیں۔فرید جاوید کے اس طرح کے اشعار میں ایک داخلی آہنگ موجود ہے۔یہ اشعار دلوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

ـــ تمام عالمِ مستی تمام کیف و سرور
لطافتوں کی محبت میں کھو گیا ہے شعور 20

ـــ کلی کلی متبسّم ہے آرزوؤں کی
قدم قدم پہ محبت میں کامراں ہُوں میں 21

فرید جاوید کی محبت سچائی، پاکیزگی اور ضبط کی حامل ہے جس میں ہوس کا نام ونشان نہیں ہے۔وہ اپنے محبوب سے ایسا کوئی مطالبہ نہیں کرتے جو خودداریٔ عشق کے خلاف ہو اور نہ ہی ان کا محبوب کوئی تقاضا کرتا ہے۔ وہ اس راستے میں صرف اپنے جنوں کے سہارے سارے مراحل طے کرتے ہیں۔اُن کے نزدیک دل کی اہمیت ہر چیز سے زیادہ ہے۔ کوئی شے دل کے متبادل نہیں ہو سکتی۔چاہے وہ محبوب کی گفتگو، مسکراہٹ، ادائیں یا اشارہ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ عشق و محبت میں دل کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

ـــ نہ اُن کا تقاضا نہ اُن کے اشارے
چلا جا رہا ہوں جنوں کے سہارے 22

ـــ کوئی چیز بھی قیمت دل نہیں ہے
تکلم، تبسّم، ادائیں، اشارے 23

فرید جاوید نے جہاں اپنی شاعری میں محبوب کو سر آنکھوں پر بٹھایا ہے وہاں انہوں نے اپنی اہمیت کو بھی برقرار رکھا ہے۔انہوں نے اپنے محبوب کے ساتھ ہمیشہ وفا کا رشتہ جوڑے رکھا ہے۔عشق کے راستے میں درپیش مشکلات کا سامنا کرنا ہر انسان کے بس کی بات نہیں ہے اور اس کے بعد بھی محبوب سے وفا کیے جانا صرف ایک عاشق ہی کر سکتا ہے۔یہ سب سہنے اور کرنے کا حوصلہ صرف ایک عاشق کے پاس ہوتا ہے۔فرید جاوید بھی اس معاملے میں بہت بلند حوصلہ رکھتے ہیں۔ان کے عشق کی ایک اور انفرادیت ان کی بے نیازی ہے۔ان کی محبت بغیر کسی غرض کے ہے۔اس وجہ سے ان کی خود اپنی نظر میں بہت عزت ہے کیونکہ یہ ظرف صرف ایک سچے عاشق کے پاس ہوتا ہے۔

ـــ وفا کے راستے پر چلنے والو
تمھارا حوصلہ بھی کم نہیں ہے 24

ـــ ندیم تجھ کو مرا احترام لازم

مرا شعار محبت ہے بے نیازانہ 25

مجموعی طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فرید جاوید نے اپنی شاعری میں عشق کا ایک واضح اور مکمل تصور پیش کیا ہے۔ یہ تصور ان کی شخصیت اور افکار و خیالات کا آئینہ دار ہے۔ انہوں نے ابتدا سے آخر تک عشق و محبت کی تمام کیفیات اور مراحل بیان کیے ہیں۔ وہ اپنی شاعری میں ایک باوفا اور پر خلوص عاشق کی تصویر کشی کرتے ہیں جو کبھی ہمت نہیں ہارتا۔ فرید جاوید نے اپنی شاعری میں محبوب کے حُسن کو بہت نمایاں کیا ہے۔ وہ اپنے محبوب کے رنگ روپ، چال ڈھال اور ناز و ادا کی تفصیل بڑی جزئیات سے پیش کرتے ہیں۔ جس سے ان کی شاعری میں لطافت اور رنگینی کی جھلک نظر آتی ہے۔

فرید جاوید اپنے محبوب کے حُسن کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں۔ وہ اپنے محبوب کی آنکھوں کی روشنی اور چمک کو نُور سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ اپنے محبوب کی آنکھوں میں دیکھ کر اس سے بدگماں ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ فرید جاوید محبوب کی آنکھوں کی خوبصورتی میں کھو کر اس پر یقین کر لیتے ہیں۔

ے صُبح کا نور ہے اُن آنکھوں میں
کیسے ہم ان سے بدگماں ہوتے 26

فرید جاوید اپنے محبوب کو بہت حسین بنا کر پیش کرتے ہیں۔ وہ محبوب کے اعضاء اور خد و خال کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ کبھی وہ اس کے چہرے اور کبھی آنکھوں کی تعریف کرتے ہیں۔ خاص طور پر آنکھیں ان کی خصوصی توجہ کا مرکز ہیں۔

ے چہرہ تیرا دہکا دہکا
آنکھیں تیری بوجھل بوجھل 27

فرید جاوید اپنے محبوب کے حسن میں ڈوب کر پوری طرح مدہوش ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے محبوب کی زلفوں کے اسیر ہیں۔ ان کے نزدیک پھول کی خوشبو بھی ان کے محبوب کی زلفوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ وہ محبوب کے اسی حسن سے گھائل ہیں۔

ے بہت شوق انگیز ہے بوئے گل بھی
مگر نکہتِ زلفِ یار اللہ اللہ 28

اردو غزل میں سراپا نگاری کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ مختلف شعرا محبوب کے سراپے کی بڑی خوبصورتی سے تصویر کشی کرتے ہیں۔ فرید جاوید نے بھی اپنے محبوب کے سراپے کو بیان کیا ہے۔ وہ اپنے محبوب کے قد و قامت، شباب، چشم، تبسّم اور تکلّم کا بیان بار بار لطف لے کر کرتے ہیں۔ انہیں اپنے محبوب کا دراز قد بہت پسند ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اپنے لمبے قد کے ساتھ ان کا محبوب جدھر سے گزرتا ہے وہاں پہ خدائی بھی جھلک جاتی ہے۔

ے وہ برق رفتار قد و قامت اِدھر سے گزرا اُدھر سے گزرا
قدم قدم پہ جھکی خدائی جہاں سے گزرا جدھر سے گزرا 29

اردو شاعری میں غم جاناں کے ساتھ ساتھ غم دوراں کی جھلکیاں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ بہت سے شعرا کے ہاں انفرادی اور اجتماعی غم بھی نظر آتا ہے۔ فرید جاوید کی شاعری میں بھی یہ غم انفرادی اور اجتماعی دونوں حوالوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ انہیں جہاں محبوب سے دوری کا غم ہے وہی ان کو زندگی کی تلخیوں کا بھی سامنا ہے۔ انہوں نے شعر کے پردے میں اپنے دل پر بیتی ہوئی بات کہنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی شاعری میں حسرت اور اداسی ہے کیونکہ ان کی زندگی بھی اسی سے عبارت تھی۔

فرید جاوید نے غم کی حقیقت کو محسوس کیا اور اپنے شعری مجموعے "سلسلہ تکلّم کا" میں اسے بڑے وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے لیکن وہ کسی بھی موقع پر ضبط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ ان کا کلام غمِ عشق کے سوز و گداز سے رچا ہوا ہے۔ انہوں نے جس غم کا ذکر کیا ہے وہ زندگی کی اصل حقیقت ہے جس کے بغیر پوشیدہ قوتیں اور صلاحیتیں ابھر کر سامنے نہیں آتیں۔

فرید جاوید کی زندگی انفرادی غم کے ساتھ ساتھ اجتماعی غم سے بھی متاثر نظر آتی ہے۔ وہ زندگی کی تلخیوں اور حقیقت کو قریب سے محسوس کرتے ہیں۔ اسی لیے ان کے کلام میں دنیا کی بے ثباتی اور بے وقعتی کا احساس موجود ہے۔ ان کی زندگی انتہائی محرومیوں سے گزری تھی۔ اپنے خاندان سے دوری، معاش کی فکر اور محبت کا ناکام تجربہ یہ

سب تکلیفیں بھی فرید جاوید کے ارادوں کی مضبوطی کو متزلزل نہ کر سکیں۔ان کی شاعری مایوسی اور ناامیدی کی آواز تو ضرور ہے مگر انتقامی نہیں۔

فرید جاوید کی غزلوں میں بہت سے اشعار ایسے ملتے ہیں جن میں محبت کرنے والے کی ناکامی، حسرت اور محرومی کا احساس شدت سے ہوتا ہے۔اردو غزل کی روایت میں عاشق محبت کے معاملے میں ناکام رہتا ہے۔ وہ نت نئے انداز سے محبوب کو اپنا بنانے کے جتن کرتا ہے لیکن جب اسے محبوب کا وصال نصیب نہیں ہوتا تو وہ اداسی کی لپیٹ میں آ جاتا ہے۔فرید جاوید کو بھی محبوب کے نہ ملنے کی وجہ سے اپنی منزل دور ہی دکھائی دیتی ہے لیکن ان کا دل پھر بھی اسی راستے پر چلنے کا متمنی ہے کیونکہ وہ بغیر کسی لالچ اور غرض کے محبت کرتے ہیں۔ اس لیے وہ دھندلے راستے اور منزل نظر نہ آنے کے باوجود بھی افسردہ دل کے ساتھ اسی راستے پر گامزن رہتے ہیں۔

ے منزلیں دور راستے موہوم
ساتھ ہم بھی ہیں اے دل مغموم 30

فرید جاوید کو عشق میں سوائے محرومی اور ناکامی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جن معاملات کو پیش کیا ہے۔جن واردات و کیفیت کی ترجمانی کی ہے۔ان سب کا محور یہی ناکامی اور حسرت ہے۔ اسی کے گرد ان کے تمام خیالات گھومتے ہیں ان کو گرفتاریٔ عشق کے بعد خوشی بہت کم نصیب ہوتی ہے۔ ایک عاشق کے لیے عشق سے بڑا کوئی غم نہیں ہوتا۔ اسی لیے ان کا دل بھی محبوب کی طرف سے کوئی خوش کن ردِ عمل نہ ملنے کی وجہ سے ناآسودہ ہی رہتا ہے۔محبوب کے ساتھ ان کے دل کا رابطہ ممکن نہیں ہو پاتا۔

ے نکہتوں کا کہیں سراغ نہیں
شوخیٔ رنگ گلستاں معلوم 31

ے بات اُن سے بھی کب بنی دل کی
نا شگفتہ رہی کلی دل کی 32

فرید جاوید کے ہاں انفرادی غم کے حوالے سے تنہائی ایک وسیع موضوع ہے۔1947ء کہ حالات کے بعد بہت سے شعرا کے کلام میں تنہائی کا ذکر ملتا ہے۔فرید جاوید نے بھی 1947ء بعد جو کلام لکھا اس میں تنہائی کا بہت ذکر ہے۔ آزادی کے بعد وہ اپنے دوستوں اور گھر سے جدائی کے بعد تنہائی کا شکار نظر آتے ہیں۔ جب انسان اپنے وطن کو چھوڑ کر دوسری جگہ ہجرت کرتا ہے تو اسے اپنا گھر، دوست، عزیز بہت یاد آتے ہیں۔ وہ نئے ماحول میں اجنبیت محسوس کرتا ہے۔ یہ انسانی نفسیات ہے کہ انسان اپنے وطن، شہر اور لوگوں کو بھول نہیں سکتا۔فرید جاوید بھی اسی تنہائی کا شکار نظر آتے ہیں۔ یہ تنہائی ان کے لیے بہت تکلیف دہ ہے۔

ے کیا کہیے جاوید جہاں میں
تنہائی ہے کتنا بڑا غم 33

انسان جب تنہائی کا شکار ہوتا ہے تو اس کا دل بھی اداس ہو جاتا ہے اور مرجھا جاتا ہے۔ اس کا دل کسی چیز میں نہیں لگتا۔فرید جاوید کی کیفیت بھی اسی طرح کی ہے۔وہ تنہائی کا شکار ہو کر اس دنیا سے بے زار ہو جاتے ہیں اور ان کی اداسی اور ویرانی میں کمی آنے کی بجائے اس میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

ے دلوں میں جھانک کر کیا دیکھتے ہو
یہ ویرانی تو پہلے سے سوا ہے 34

فرید جاوید کو ہجرت کر کے آنے کے بعد بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ جن میں اجنبیت اور شناخت کے مسائل شامل ہیں۔ انہیں اس تنہائی میں کوئی اپنا غم گسار نظر نہیں آتا۔ جس سے وہ اپنے دل کا دکھ درد بیان کر سکیں۔ اس لیے وہ اس طرح کی جگہ پر رہنے کی بجائے ویرانوں میں رہنے کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ جہاں میں بھی ویسی ہی ویرانی پھیلی ہوئی ہے۔

ے دُکھے دلوں کا جہاں کوئی غم گسار نہیں
پسند ہیں مجھے ان بستیوں سے ویرانے 35

فرید جاوید نے اپنی شاعری میں انفرادی غم کے ساتھ ساتھ اجتماعی غم کو بھی بہت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ انہوں نے اپنی حساسیت کی وجہ سے زندگی کی تلخیوں

اور حقیقت کو بہت محسوس کیا ہے۔ وہ نہ صرف اپنے دکھوں کو بلکہ دوسروں کی پریشانیوں کو بھی اپنے دل پر محسوس کرتے ہیں۔ فرید جاوید کے خیال میں زندگی بہت ظالم ہے۔ اس میں ہر کسی کو خوشی نصیب نہیں ہوتی۔ حسن اور خوبصورتی بھی زندگی میں غم زدہ ہی نظر آتے ہیں۔ یہ کسی کا انتظار نہیں کرتی۔ چاہے کوئی پیچھے رہ جائے یا ساتھ آئے یہ اپنے راستے پر گامزن رہتی ہے۔ زندگی میں بہت گہرائی ہے اسے سمجھنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

ے کتنی ظالم ہے زندگی جاویدؔ

میں نے دیکھا ہے حُسن کو مغموم [36]

مجموعی طور پر فرید جاوید نے اپنی شعری مجموعے "سلسلہ تکلّم کا" میں تمام موضوعات کو بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ اس مجموعے میں غالب موضوع تصورِ عشق اور تصورِ غم ہیں۔ وہ اپنے وسیع مشاہدے کو استعمال میں لاتے ہوئے زندگی کے مختلف موضوعات کو اپنی شاعری کا حصہ بناتے ہیں۔ یہ موضوعات حقیقت سے قریب تر معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے غزل، نظم اور قطعات کے ذریعے ان موضوعات کو فکری سانچے میں ڈھالا ہے۔ وہ ان موضوعات کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ قاری ان کو اپنی زندگی کا حصہ تصور کرتا ہے۔ اسی لیے ان کے اشعار دل پر اثر کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنی تخلیقی قوت کے ذریعے اس مجموعے کو فکری حوالے سے بہت سی خصوصیات سے مزین کیا ہے۔

فرید جاوید فکر کی پختگی کے ساتھ ساتھ فن میں بھی اپنا لوہا منواتے ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری کو خوبصورت بنانے کے لیے منفرد اور خوبصورت تشبیہات و استعارات کا استعمال کیا ہے۔ وہ تشبیہات و استعارات کا استعمال موقع محل کی مناسبت سے کرتے ہیں۔ وہ تشبیہات کے ذریعے اپنے محبوب کی خوبصورتی اور دوسری کیفیات کو بھی بیان کرتے ہیں۔ وہ محبوب کے لیے چاند، ستارے، ستاروں کا جھرمٹ اور آفتاب کے استعارے استعمال کرتے ہیں۔ ان کے استعارے بے جوڑ اور بے موقع معلوم نہیں ہوتے۔ ان کی یہاں تشبیہات منفرد ہیں وہاں استعارے بھی اچھوتے ہوتے ہیں۔ انہوں نے علمِ بیان کے ساتھ ساتھ علمِ بدیع میں بھی اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کا ثبوت دیا ہے۔ علمِ بدیع میں انہوں نے صنعتِ مراعات النظیر، صنعتِ تضاد، صنعتِ تلمیح، صنعتِ استفہام اور صنعتِ سیاق الاعداد کا استعمال کیا ہے۔

صنعتِ مراعات النظیر میں انہوں نے زیادہ تر گلستان اور چمن کی مناسبت سے بہار، لالہ و گل، پھول، شبنم اور آشیاں کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے شراب اور جام کی مناسبت سے ساقی، چھلکنا، مئے، تشنگی، پیمانہ، مستی، ساغر، گھونٹ اور تلچھٹ جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ صنعتِ تضاد میں انہوں نے دن اور رات، صبح و شام، بہار اور خزاں، زندگی اور موت، کانٹے اور پھول، خرد اور جنوں، کفر اور ایماں اور نشیب و فراز جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ صنعتِ سیاق الاعداد میں فرید جاوید نے بالترتیب اعداد کا استعمال کیا ہے۔ انہوں نے ایک، دو، سو، ہزار اور لاکھ کے اعداد کا استعمال کیا ہے۔ ان کی شاعری میں صنعتِ تلمیح کا استعمال بہت کم ہے۔ صنعتِ تلمیح کے صرف دو اشعار ملتے ہیں جس میں انہوں نے خضر اور کلیم کے الفاظ استعمال کر کے تاریخی اشارہ کیا ہے۔ صنعتِ استفہام میں انہوں نے اپنی ذات، محبوب، خدا اور سماج کے حوالے سے سوالیہ انداز اپنایا ہے۔ وہ سوالیہ انداز میں ہی اپنی ذات کے بہت سے گوشے قاری پر عیاں کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے جذبات و احساسات کو بھی استفہامیہ انداز میں بیان کرتے ہیں۔ وہ اپنے محبوب سے بھی سوالات کرتے ہیں۔ وہ سماج کی بے حسی پر سوال اٹھا کر قاری کو غور و فکر پر مجبور کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ خود سے بھی سوال کرتے ہیں اور اپنے غمِ جاناں اور غمِ دوراں کو بھی سوالیہ انداز میں بیان کرتے ہیں۔ فرید جاوید نے اپنی شاعری میں تمثال کاری کا جادو بھی جگایا ہے۔ وہ الفاظ کے ذریعے خوبصورت مناظر کی جزئیات قاری کے سامنے لے آتے ہیں اور قاری خود کو اسی منظر میں پاتا ہے۔ وہ ساکن اور متحرک تمثیلیں پیش کرتے ہیں۔

فرید جاوید کو زبان و بیاں پر قدرت حاصل ہے۔ ان کی زبان سادگی اور روانی کی حامل ہے۔ وہ اپنے جذبات و کیفیات کے اظہار کے لیے سادہ زبان استعمال کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں لب و لہجے کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ان کا نرم اور پر گداز لہجہ قاری کے دل پر اثر کرتا ہے۔ اپنے اسی نرم اور سادہ لہجے میں وہ حسن و عشق کی واردات و کیفیات اور زندگی کے مسائل کو بیان کرتے ہیں۔ وہ چھوٹی اور لمبی بحور کا استعمال کر کے اپنی شاعری میں غنائیت اور موسیقیت پیدا کرتے ہیں۔

یہ بات بالکل درست ہے کہ فرید جاوید نے نہایت سست رفتاری سے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار کیا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس مختصر شعری مجموعے میں بھی اتنی وسعت اور گہرائی موجود ہے کہ جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے انتہائی ذہانت، ادبی ہنر مندی اور فنکارانہ چابکدستی سے فکری اور تخلیقی زاویوں کی مدد سے اپنی شاعری کو پختہ اور دل نواز بنایا ہے۔

حوالہ جات

1 شمیم احمد۔"وار فتہٴ سفر"مشمولہ:5= 2+2۔ شمیم احمد۔ کوئٹہ: زمرد پبلی کیشنز، بارِ دوم،1992ء، ص267

2 فرید جاوید۔ سلسلہ تکلّم کا۔ کراچی: پاکستان ہیرالڈ پریس،1980ء، ص32

3 ادارہ۔ سلسلہ تکلّم کا۔ فرید جاوید۔ کراچی: پاکستان ہیرالڈ پریس،1980ء

4 ایضاً

5 فرید جاوید۔ سلسلہ تکلّم کا۔ کراچی: پاکستان ہیرالڈ پریس،1980ء ص19

6 ادارہ۔ سلسلہ تکلّم کا۔ فرید جاوید۔ کراچی: پاکستان ہیرالڈ پریس،1980ء

7 فرید جاوید۔ سلسلہ تکلّم کا۔ کراچی: پاکستان ہیرالڈ پریس،1980ء ص19

8 ایضاً، ص44

9 ایضاً، ص77

10 ایضاً، ص31

11 ایضاً

12 ایضاً، ص26

13 ایضاً، ص31

14 ایضاً

15 ایضاً، ص22

16 ایضاً، ص56

17 ایضاً، ص81

18 ایضاً، ص39

19 ایضاً، ص44

[20] ایضاً، ص90

[21] ایضاً، ص148

[22] ایضاً، ص97

[23] ایضاً، ص130

[24] ایضاً، ص154

[25] ایضاً، ص69

[26] ایضاً، ص117

[27] ایضاً، ص181

[28] ایضاً، ص141

[29] ایضاً، ص161

[30] ایضاً، ص20

[31] ایضاً

[32] ایضاً، ص77

[33] ایضاً، ص23

[34] ایضاً، ص78

[35] ایضاً، ص108

[36] ایضاً، ص20